إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ" کی رو سے امام قتل کر دینے کا مجاز ہے۔

نظامِ حق کے نفاذ میں تلوار کا حصہ

سوال:- میں نے آپ کی کتاب "جہاد فی سبیل اللہ" پڑھی۔ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ "تلوار کے زور سے پرانے ظالمانہ نظامِ زندگی کو بدل دینا اور نیا عادلانہ نظام مرتب کرنا بھی جہاد ہے"۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ قرآن کریم میں جس جہاد پر زور دیا گیا ہے وہ تو یہ ہے کہ "فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا" (فرقان) یعنی کافروں کی بات نہ مان اور اس قرآن کے ذریعے کفار کے ساتھ بہت بڑا جہاد کر۔

ورنہ کیا نعوذ باللہ قرآن مجید میں کوئی ذاتی جوہر نہیں ہے کہ لوگوں کے دل تلوار چلائے بغیر فتح نہ کیے جا سکیں؟ اسلام تو مذہب کے متعلق آزادی دیتا ہے کہ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" (بقرہ) یعنی دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہونا چاہیے"۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو جبر سے نہیں پھیلایا اور تلوار صرف مدافعت کے لیے اٹھائی نہ کہ تبلیغ کے لیے، کیونکہ کفار کی طرف سے جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ دینی جنگ کرنے کی اجازت صرف ان لوگوں کے مقابلہ میں ہے جو دین کے نام سے مسلمانوں سے جنگ کریں، مگر اس میں بھی زیادتی کی اجازت نہیں۔ "وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ"۔ (اور دین کی لڑائی ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر یہ خیال رکھو کہ زیادتی نہ کر بیٹھو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی رائے میں اس وقت ہندوستان کا نظامِ زندگی ظالمانہ ہے؟ اور جن شرائط کے ماتحت اسلام نے جہاد بالسیف کو فرض قرار دیا ہے، وہ ہندوستان میں پیدا ہو گئے ہیں یا نہیں؟

جواب:- آپ کا خط غلطیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے قرآن شریف پر بحیثیت مجموعی نہیں غور کیا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جتنی آیتیں بھی آپ نے پیش کی ہیں ان میں سے کسی کا بھی صحیح محل آپ نے نہیں سمجھا ہے۔ آیت "فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا" کا تعلق ان کفار سے ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حسی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ ان کی نسبت فرمایا گیا ہے کہ ان کافروں کی بات پر دھیان نہ کرو اور ان کے ساتھ اس قرآن کے ذریعہ جہاد کرو، اگر ان کا کفر ٹوٹنا ہے تو اسی قرآن سے ٹوٹے گا، ورنہ معجزات سے ان کو کوئی نفع نہ پہنچے گا۔ ہاں تم اپنی طرف سے اس قرآن کی تبلیغ و تفہیم میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔

جہاد کے واجب کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن مجید میں کوئی ذاتی جوہر نہیں ہے۔ قرآن مجید میں لاکھ جوہر سہی لیکن وہاں یہ جوہر کیا کام دے سکتا ہے جہاں سینوں میں دلوں کی جگہ پتھر ہوں۔ جن قلوب میں کچھ صلاحیت ہوتی ہے قرآن ان کو ترجیحاً تسخیر

رکھی۔ جب تک آپ کے ساتھ کوئی جمعیت نہیں تھی، آپ اور آپ کے تھوڑے سے صحابہ کفار کے ہاتھوں ہر طرح کے مظالم جھیلتے رہے۔ مگر جب آپ کے ساتھ کچھ جمعیت ہوگئی، آپ نے کفار کے حملوں کو روکا اور تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ اس بیچ میں اگر آپ کو ضرورت محسوس ہوئی تو آپ نے کفار سے صلح کے معاہدے بھی کیے، اور اگر ضرورت ہوئی تو جنگ بھی کی۔ آخرکار قرآن کی سورہ براءۃ میں یہ فرمان نازل ہوگیا کہ کفار کی جن جماعتوں نے اپنے معاہدے توڑے ہیں ان کے معاہدوں کے خاتمہ کا اعلان کر دیا جائے اور اشہر حرم کے ختم ہونے پر وہ جہاں پائے جائیں قتل کیے جائیں، اور جب تک وہ توبہ نہ کریں، نماز نہ قائم کریں، زکوٰۃ نہ دیں اس وقت تک ان کو امان نہ دی جائے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (۵- توبہ)

پھر جب گذر چکیں پناہ کے مہینے تو قتل کر ڈالو مشرکوں کو جہاں پاؤ اور ان کو پکڑو اور گھیرو اور ان کی تاک میں بیٹھو ہر کمین گاہ میں پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ

اور جن جماعتوں نے معاہدے نہیں توڑے ہیں ان کے معاہدے ان کی مدت کے بعد ختم کر دیے جائیں اور ان سے جنگ کی جائے:-

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ (۴- توبہ)

مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کر رکھا تھا، پھر انھوں نے تمھارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ مدد کی تمھارے مقابلہ میں کسی کی تو ان سے پورے کرو ان کے عہد ان کی مدت تک۔

اسی طرح مشرکین کے علاوہ اہل کتاب کے متعلق بھی آخری اعلان یہ کر دیا گیا کہ ان سے اس وقت تک جنگ کی جائے کہ وہ جزیہ دینے کی ذلت پر راضی ہوں:-

وَقَاتِلُوا الَّذِينَ .... مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝

لڑو ان لوگوں سے .... وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

ان صریح اعلانات کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے صرف مدافعت کے طور پر تلوار اٹھانے کی اجازت دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بلاشبہ صورت حالات یہی ہے کہ ہر جنگ کے اسباب کفار ہی نے مہیا کیے، لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اہل مکہ اگر نزول براءۃ کے بعد بھی کوئی معاہدہ کرنا چاہتے تو ان سے معاہدہ ہو سکتا یا اہل کتاب اگر فتنے نہ اٹھاتے تو ان سے جنگ اور جزیہ کی نوبت نہ آتی۔ کفر اور کافرانہ نظام زندگی کا وجود خود ایک مستقل سبب جہاد ہے اور جب تک یہ دنیا میں باقی ہیں اس وقت تک اگر شرائط و حالات بہم ہوں تو مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ چین کی نیند سوئیں۔ چنانچہ حضرات خلفائے راشدین نے، جنھوں نے قرآن اور پیغمبر کی تعلیم کو سب سے بہتر سمجھا تھا، اسی پر عمل کیا اور اپنے اپنے زمانوں میں برابر جہاد بالسیف کو دنیا میں عدل و قسط قائم کرنے کے لیے جاری رکھا، البتہ

مشرکین عرب کے علاوہ دوسری قوموں کے لیے جو اہل کتاب میں یا اہل کتاب کے حکم میں داخل تھیں اسلام اور تلوار کے سوا ایک تیسری راہ جزیہ کی ادائیگی کے ساتھ اطاعت کی بھی کھلی رکھی گئی تھی۔ اس لیے صحابہ نے ان قوموں سے جزیہ لے کر ان کو مطیع بنا لیا، تاکہ نبی کی بعثت ان کی طرف براہ راست نہ ہونے کی وجہ سے انھیں جو الاؤنس ملنا چاہیے وہ بھی مل جائے اور دنیا ان کے فساد سے محفوظ بھی ہو جائے۔ باقی وہ جنگ کرتے یا نہ کرتے، خلفائے راشدین از روئے قرآن مامور تھے کہ ان سے جنگ کریں اور ان کے ہاتھوں سے طاقت چھین کر ان کو مغلوب و مطیع کر لیں۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے صرف مدافعت کے لیے تلوار اٹھائی وہ درحقیقت صحابہ کے غزوات کو ملوکانہ جنگوں کی حیثیت دیتے ہیں، حالانکہ یہ قرآن کے احکام کا صریح انکار اور حضرات خلفائے راشدین پر سخت ترین طعن ہے۔ یہ تمام غزوات قیام قسط کے لیے تھے جس پر یہ امت مامور ہے۔

بقرہ کی آیت "وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کا مطلب بھی آپ نے نہیں سمجھا ہے۔ یہ آیت اور اس کے بعد کی آیات ان مسلمانوں کے شبہات کو دور کر رہی ہیں جن پر اشہر حرم اور بلد حرام کا احترام اس قدر غالب تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر ان مہینوں اور اس مقام میں کفار حملہ بھی کر دیں تو ان کا دفاع نہیں کرنا چاہیے۔ قرآن نے ان کو بتایا کہ جو لوگ تم سے اشہر حرم اور بلد حرام میں لڑیں ان سے لڑو اور یہاں تک لڑو کہ "لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ" یعنی فتنہ (Persecution) کلیۃً ختم ہو جائے اور خدا کی زمین پر صرف خدا کا دین جاری و نافذ ہو جائے، اور اشہر حرم میں جنگ کی اس اجازت کی وجہ یہ بتائی کہ یہ تو درحقیقت اشہر حرم اور بلد حرام کی بے حرمتی کا قصاص ہے۔ انھوں نے تمھیں اس مقدس سرزمین اور ان مقدس مہینوں کے امان سے محروم کیا ہے، اس لیے تمھیں پورا حق ہے کہ تم بھی ان کے امان سے ان کو محروم کر دو، البتہ اگر وہ ان مہینوں اور اس شہر میں تم پر حملہ نہ کریں تو تم اپنی طرف سے ان کی حرمت برباد کرنے کے لیے پہل نہ کرو۔

سوال کے دوسرے جز کے سلسلہ میں، سمجھ لیجیے کہ ہندوستان کا نظام زندگی بالکل کافرانہ اور ظالمانہ ہے لیکن وہ شرائط یہاں ابھی پورے نہیں ہیں جن کے ماتحت اسلام نے جہاد بالسیف کی اجازت دی ہے۔ جہاد بالسیف کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ "باختیار" امیر کی قیادت میں ہو۔ کسی دوسرے نظام قاہر و مسلط کے اندر رہتے ہوئے جہاں کسی باختیار امیر کا وجود ناممکن ہے، قتال کرنا بدامنی اور فساد ہے جو جائز نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کا اعلان ہجرت کے بعد فرمایا۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ جہاد بالسیف کے لیے اٹھیں وہ خود شائبہ فساد و ظلم سے پاک ہو چکے ہوں کیونکہ جہاد زمین کے فساد کو مٹانے کے لیے ہے، اور کسی ایسی جماعت کا جہاد کے لیے اٹھنا بالکل مہمل بات ہے جو خود فساد میں مبتلا ہو۔ اس طرح کی کوئی جماعت اور کوئی باختیار امیر چونکہ ابھی ہندوستان میں موجود نہیں ہے اس وجہ سے یہاں جہاد بالسیف روا نہیں۔

ہندوستان میں قضا شرعی کا قضیہ

سوال: "اہم استفتاء" کو دیکھ لینے کے بعد "حقوق الزوجین" کی بعض عبارتیں بہت کھٹک رہی ہیں۔ اسی سلسلہ میں توضیح مدعا کی ضرورت ہے۔ مثلاً آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"ہندوستانی مسلمانوں کو اس میں تمدنی خود اختیاری حاصل ہو جس کے تحت مسلمان اپنے محاکم شرعیہ قائم کرنے کے مجاز ہوں۔" (حقوق الزوجین ص۶۳)

یہ مطلوب طاغوتی نظام ہی کی نوازش سے حاصل ہوگا نا؟ اور یہ محاکم اپنے احکام کے اجرا کے لیے طاقت بھی تو طاغوت ہی سے لیں گے۔ پھر کیا اس پر اسلام مطمئن ہو سکتا ہے؟

اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اگر یہ چیز بھی حاصل نہ ہو تو "بر سبیل تنزل" اتنا ہی سہی، اور یہ بھی انتہائی مجبوری کی حالت میں آخری صورت ہو کہ مذہب مالکی کے مطابق ہر ضلع میں تین مسلمانوں کی ایک پنچایت مقرر کی جائے۔" (ایضاً ص۶۳ و ص۶۴)

یہ پنچایت کمیٹی جو نظام باطل کے اذن و اجازت سے اور باطل کے زیر سایہ قائم ہوگی، کیا حق تعالیٰ کو بھی منظور ہوگی؟ دراصل یہ لفظ "تنزل" اپنے مفہوم سمیت ایک جاہلی اصطلاح ہے۔ تنزل ہی کرتے کرتے مسلمان کفر کی سرحد میں داخل ہو کر بھی کرتہ مسلمان بنے ہوئے ہیں۔ پھر آگے یہ الفاظ نظر آتے ہیں:۔

"حکومت متسلط پر دباؤ ڈال کر اس سے پنچایتی نظام کو تسلیم کروایا جائے۔" (ایضاً ص۶۴)

اللہ اکبر! سارے عالم سے طاغوت کو بے دخل کرنے والا "اسلام" نظام پنچایتی پر قانع ہو جائے اور لطف بر جراحت یہ کہ اس نظام کا قیام بھی طاغوت کی منظوری کا محتاج ہو! "حکومت متسلط پر دباؤ" بھی کیا وہ مسلمان ڈالیں گے جو اس طاغوتی نظام پر بالکل راضی ہیں اور اسلام کا جوا اتارنے کی فکر میں ہیں۔ پھر دباؤ ڈالنے کا ہی عزم ہے تو آدھے پونے اسلام کی منظوری تک کیوں محدود ہے؟ کیوں نہیں کامل اسلام کے کامل غلبہ کی کوشش کا مشورہ دیا گیا؟

ایسے ہی اور بہت سے مقامات نظر سے گزرے ہیں جو اہم استفتا کے مباحث کی سند ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ آپ نے جن جذبات دینی کے ماتحت گرامی نامہ تحریر فرمایا ہے اور نظام باطل سے ہر قسم کے تعلق سے جس طرح براءت کا اظہار کیا ہے اس سے دلی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کے دل میں یہی جذبات پیدا کرے۔ حقوق الزوجین میں اس قسم کی تجویزیں جو بر سبیل تنزل لکھی گئی ہیں جماعت اسلامی کے مسلک کی حیثیت نہیں رکھتیں، بلکہ ان جماعتوں کی رہنمائی کے لیے لکھی گئی ہیں جو موجودہ نظام کے تحت اپنی مذہبی مشکلات کے حل کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہی ہیں۔ اس بات کی تصریح بھی نہایت واضح الفاظ میں کر دی گئی ہے۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یہ شبہات کیوں لاحق ہوئے۔ بعد میں ایک رفیق کے سوال کے جواب میں ترجمان القرآن کے صفحات میں بھی اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے۔ بہر حال جماعت اسلامی کا طرز عمل بالکل غیر مشتبہ ہے اور اس طرح کے شکوک کے پیدا ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

فقہا و ائمہ سے انتساب مسلک

سوال:۔ "ان الدین عند اللہ الاسلام" کی آپ نے جو تشریح فرمائی ہے اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کسی فقیہ یا مجتہد سے اخذ کردہ مسائل اسلام پر اس فہم کے ساتھ عمل کر رہا ہو کہ وہ مسائل اس فقیہ کی رائے